© rasailojaraid.com

(وفیات)

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَھُمْ

جماعتِ اسلامی پاکستان کے سابق نائب امیر مولانا عبدالرحیم وفات پا گئے۔ سپردِ خدا! ان کے پاس علم بھی تھا اور حلم بھی۔ بڑا بے تکلفانہ دَور گزرا۔ پہلا سفرِ حجاز ہم تین افراد نے ایک وفد کی حیثیت سے کیا، ایک مولانا عبدالرحیم تھے۔ بنگلہ دیش کی تشکیل نے ہمارے درمیان جدائی ڈال دی، ورنہ بہت ملاقاتیں ہوتیں۔ اس دَور میں بھی وہ تشریف لائے۔

۱۹۵۰ء تا ۱۹۵۵ء مشرقی پاکستان کی جماعتِ اسلامی کے جنرل سیکرٹری رہے۔ پھر ۱۹۵۸ء تک وہاں کے امیر جماعت رہے۔

مولانا نے عربی اور اُردو زبان میں ساٹھ سے زائد کتابوں (جن میں تفہیم القرآن بھی شامل ہے) کا بنگلہ میں ترجمہ کیا۔ خود بھی متعدد کتابیں لکھیں۔

ہسپتال میں وفات سے ۲ روز پہلے آپریشن ہوا، جس سے جانبر نہ ہو سکے۔ عمر ۷۹ سال تھی۔

گزشتہ بحرانی دَور میں وہ بنگلہ دیش کے متحدہ محاذوں میں شریک رہے۔ مولانا بنگلہ دیش اسلامک سنٹر، بنگلہ دیش اسلامک انسٹی ٹیوٹ، رابطۂ عالمِ اسلامی اور او، سی، آئی، کی فقہ اکیڈمی کے رُکن تھے۔ مرحوم نے سعودی عرب، ایران، بھارت، پاکستان، نیپال، تھائی لینڈ اور برما کے مختلف سیمیناروں اور کانفرنسوں میں شرکت کی۔ نمازِ جنازہ پروفیسر غلام اعظم نے بعد نمازِ جمعہ پڑھائی۔ تدفین مسجد بیت المکرم کے سامنے ہوئی۔ اللہ مغفرت کرے اور پسماندگان کو صبر بھی دے اور رحمت سے نوازے۔

عمرو بن عبداللہ بن محفوظ جیسا مخلص محب بھی رخصت ہو گیا۔ مرحوم جدّہ میں رہتے تھے اور جماعتِ اسلامی ہند سے تعلق تھا۔ ماضی میں سعودی عرب سے بہت سے لوگ (باقی بر صفحہ آخر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

یہ مہینہ —— ربیع الاوّل —— جس سے ہم گزر رہے ہیں، قدرتی بات ہے کہ ہر مسلمان کے دل میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد تازہ ہوتی ہے، محبت کی ایک لہر اٹھتی ہے، حضورؐ کی عظمت و رفعتِ شان کا تصور کر کے اور حضورؐ کی نعتوں کی گونج فضا میں پیدا کر کے اور حضورؐ کی کتابِ سیرت کے سنہرے اوراق کو پلٹ پلٹ کر اپنی خوش نصیبی کا احساس ہوتا ہے کہ ہمیں انسانیت کے ایسے قائد و راہنما سے وابستگی نصیب ہوئی۔

مگر بات صرف خوشی اور خوش نصیبی ہی تک محدود نہیں، معاملہ بڑی بھاری ذمہ داری کا بھی ہے۔ جس نے جناب رسول کریمؐ کو جانا اور ان کا حق ادا کیا وہ مراد پا گیا۔ اور جس نے جانا مگر رسول کریمؐ کے منصب کی حق ماری کی وہ تباہ ہو گیا۔ ہم میں کچھ لوگ ایسے ہیں کہ وہ رسولؐ سے محبت کرتے ہیں، مگر رسولؐ کے احکام اور مطالبات کو قبول نہیں کرتے، اور کچھ ایسے ہیں جو محبت بھی کرتے ہیں اور طاعت بھی۔ کچھ آداب، سلام، قصیدہ گوئی، عاجزی بہت دکھاتے ہیں مگر رسولؐ کے پیغام اور راستے کو قبول کرنے کے بجائے عملاً کوئی دوسرا ہی رُخ اختیار کرتے ہیں۔ کچھ وہ ہیں کہ جن کی زبانوں پر دُرود و سلام، جن کے دلوں میں سوزِ محبت و عقیدت اور جن کے افکار، گفتار اور کردار پر حضورؐ کا رنگ چھایا رہتا ہے۔

ربیع الاوّل ہم میں سے ہر ایک سے پوچھتا ہے کہ تم کہاں کھڑے ہو؟

اصل میں پورے سلسلۂ رسالت کے مطابق حضورؐ کا ایک بڑا منصب ہے اور بھاری حقوق ہیں۔ آیئے ذرا اس پہلو سے حضورؐ کے مرتبہ کی تھوڑی سی جھلک دیکھیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں سب سے پہلے اس مشہور عام آیت ہی کو لیتا ہوں کہ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (الانبیاء-۱۰۷) مطلب صاف ظاہر ہے کہ ہم نے آپؐ کو سب کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

رحمت کے معنی بعض لوگوں نے یہ بنا لیے ہیں کہ بس ہمہ وقت تم پر نور کی بارش ہو رہی ہے، برکتیں نازل ہو رہی ہیں، فلاح و سعادت سایہ افگن ہے — اور کام کچھ نہیں۔ سب کچھ مفت!

رسولؐ رحمت اس کے لیے ہیں جو ان کے پیغام کو، اُن کی دعوت کو، ان کے درسِ اخلاق کو، ان کے نظامِ قانون کو دل سے اور زبان سے اور عمل سے مانے۔ جو نہ ماننے یا عملاً بات کو اختیار کرنے پر تیار نہ ہو، یا جو بھاری ڈیوٹی حضورؐ فلاحِ انسانیت کے لیے لگانا چاہتے ہیں، اُسے قبول نہ کرے، تو پھر خدا کی رحمت اس طرح تو نہیں بانٹی جاتی کہ وہ اندھے کی ریوڑیاں ہیں۔

رحمت کا لفظ خدا کے لیے بھی آیا ہے، رسولؐ کے لیے آیا ہے، مگر ساتھ ہی ساتھ یہ لفظ خدا کی ہدایت اور کتاب کے لیے بھی آیا ہے۔ خدا کی کتاب یا ہدایت یا شریعت کے رحمت ہونے کے یہ معنی نہیں کہ آپ نے کتاب کو چوم کر طاق پر رکھ دیا یا اسلام کے جادۂ ہدایت اور قانونِ حیات کے متعلق چند اچھے فقرے کہہ دیئے یا غلبۂ اسلام کی تحریک کی شان میں اچھے اچھے شعر لکھ دیئے تو اب گویا آپ پر رحمتوں کے دروازے کھل گئے۔ کتاب پر عمل کریں گے تو رحمت ہوگی، ہدایت کے راستے پر چلیں گے تو رحمت ہوگی اور قانونِ اسلام کے غلبہ اور اجراء کی سعی کریں گے تو رحمت ہوگی۔

اِس بات کو سمجھنے میں شاید یہ حقیقت ممد ہوگی کہ حضورؐ کے رحمت ہونے کی حقیقت کی تفسیر اس آیت سے ہوگی "اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا" (البقرہ-۱۱۹) یعنی خدا نے آپ کو بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ یہ مضمون قرآن میں بہت سے مقامات پر وارد ہے۔ حضورؐ ایک گروہ کے لیے بشارت دینے اور رحمت کا پیغام سنانے والے ہیں اور دوسرے کے لیے ڈرانے والے یا رحمت سے محرومی کے خطرے پر متنبہ کرنے والے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپ کے دَور سعادت میں پہلا گروہ وہ تھا جو آپ کی دعوت پر ایمان لا کر پوری طرح اطاعت و اتباع کرتا تھا، یہ تھا رحمت والا گروہ ــــ دوسرا گروہ وہ تھا جو نہ ایمان لاتا تھا، نہ اطاعت کرتا تھا۔ یہ تھا محرومِ رحمت گروہ ــــ ابتدائی دَور میں صرف یہی دو گروہ تھے۔ کوئی تیسری قسم مسلمانوں کی نہ تھی۔ بعد میں منافقین کا ایک عنصر نمودار ہوا جو بظاہر مومن اور بباطن کافر لوگوں پر مشتمل تھا۔ اس کے بعد لمبے دَور میں فرقے اور طرح طرح بحثیں، کلامیات اور فقہیات میں پیدا ہوئیں۔ پھر مسلمانوں میں ملحدوں کے افکار اور بے دین لوگوں کے طور طریق پھیلنے لگے اور ان کی وجہ سے مزید رنگا رنگی پیدا ہو گئی۔ چنانچہ بعد کے وہ تمام لوگ جو ایمانی معتقدات رکھتے ہوئے بے عملی اور بد عملی میں مبتلا ہوتے رہے، ان کے لیے اربابِ کلام و فقہ نے ایک نیا تصور پیدا کیا کہ وہ اپنی بدعملیوں اور کوتاہ عملیوں کی سزا پانے کے بعد (چاہے وہ پانچ لاکھ سال طویل ہو) محض اپنے ایمان کی وجہ سے بخش دیئے جائیں گے اور اس طرح وہ رحمت سے بہرہ مند ہو جائیں گے۔ گویا دس ہزار سال یا ستر ہزار سال یا پانچ لاکھ سال کی شدید ترین تعذیب تو بس یونہی بچوں کا کھیل ہو گی[1]۔ پل میں اس سے فارغ ہو کر رحمت کے چمنستانوں کا رُخ کریں گے۔

ہم دَورِ نبوت اور دَورِ رحمت و سعادت کے بعد پیدا ہونے والی ان اقسامِ مومنین سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو عالمِ تصور میں مکّہ کے دارِ ارقم میں لے جائیں اور وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اس طرح بیعتِ ایمان و اطاعت کریں، جس طرح مکّہ میں پائے جانے والے ایک ہی قسم کے مومنین و مسلمین نے کی تھی۔ اور عالمِ واقعہ میں دکھا دیا تھا کہ رسولؐ پر ایمان لانے والا اور رسولؐ سے محبت کرنے والا اور رسولؐ کے خدائی پروگرام پر نقطہ بہ نقطہ عمل کرنے والا اور جان، مال، گھر بار لٹا دینے والا اور بشارات

---

[1] ذرا ایسی بے خوفی اور بے پروائی رکھنے والے لوگ اپنی انگلی چراغ کی لَو پر دس منٹ تک رکھ کر تو دیکھیں۔

© rasailojaraid.com

اور رحمتوں کا مستحق مومن کیسا ہوتا ہے؟

دیکھیے ہر نبیؑ اور رسولؑ نے اپنے وقت میں بنیادی دعوت کے اندر اطاعتِ رسولؑ کو شامل رکھا۔ ہر نبیؑ نے قوم سے خطاب میں کہا کہ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ (الشعراء ۱۰۸، ۱۱۰، ۱۲۶، ۱۳۱، ۱۴۴، ۱۵۰، ۱۶۳، ۱۷۹)۔ ارشاد ہے کہ اللہ سے ڈرو اور (اس کے عذاب سے بچنے کے لیے) میری اطاعت کرو۔ یہ مضمون دوسرے مقامات پر بھی مختلف الفاظ میں بیان ہوا ہے۔

بلکہ واضح طور پر قرآن میں خدا کی طرف سے اُصول بیان کر دیا گیا کہ ہم نے کوئی رسول ایسا نہیں بھیجا کہ خدا کے اذن کے تحت جس کی اطاعت نہ کی جائے۔ یعنی نبوت کا لازمی حق اطاعت ہے۔

سورہ انفال میں ایک نکتہ خاص بیان ہوا ہے۔ فرمایا! يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (آیت ۶۴)۔ حضورؐ سے فرمایا گیا کہ آپؐ کے لیے اللہ کافی ہے اور وہ مومنین جو آپ کا اتباع کریں۔ دیکھیے یہاں رسولؐ کا اتباع کرنے والے مومن الگ کر لیے گئے اور خاص اِن کے متعلق ارشاد ہوا کہ یہ لوگ آپؐ کے کام کے ہیں۔

رسولؐ اللہ کا آدمی ——— اور رسول اللہؐ کے کام کا آدمی وہ ہے جو ایمان لانے کے ساتھ آپؐ کا اتباع بھی کرے۔

محبتِ رسولؐ کی شان کا پُرخلوص اظہار حضورؐ کے اتباع سے ہوتا ہے۔

محبتِ رسولؐ کی ایک کسوٹی سورۂ فتح کی آخری آیت (۲۹) بھی ہے۔ اس میں توجہ طلب الفاظ " وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ " کے ہیں۔ آیت کلام کرتی ہے محمد رسول اللہ اور اُن کے ساتھیوں (یار رفقاء) کے متعلق۔ بنابریں یہاں آگے جو عملی اوصاف بیان ہوئے ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ خدا کے اُن بندوں کو نمایاں کر کے دکھا دیتے ہیں جو حضورؐ کے ساتھ ہیں، ہم سفر ہیں، ہم قدم ہیں، ہم مقصد ہیں اور ہم آہنگ ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ جو لوگ ان اوصاف سے عاری ہوں گے وہ (چاہے مومنین ہی کی ایک قسم ہوں اور دُنیا و آخرت میں سزائیں بھگت کر دوزخ سے نجات پا ہی جائیں) حضورؐ کے مطلوب ساتھی نہیں ہیں۔ حضورؐ کو جیسے مردانِ حق کی ضرورت ہے اُن کی شان یہ ہے کہ اہلِ کفر اور اہلِ مخالفت کے لیے وہ نہ صرف جنگی قوت کے لحاظ سے زیادہ سخت ہیں، بلکہ اُن کے نظریات کو قبول کرنے، ان کے تہذیبی اطوار کو اختیار کرنے، ان کی معاشرتی رسوم کو جذب کرنے کے لحاظ سے بھی نہایت محکم ایمان اور مستحکم ذہنیت رکھتے ہیں۔ اُن کو تم ہمیشہ رکوع و سجود میں دیکھتے ہو کہ وہ اپنے رب کے لطف و رضا کے جویاں ہیں۔ سجدے کرنے سے اُن کی جبینوں پر نشان دکھاتے ہیں۔ یہ ہیں وہ لوگ جن کا نقشہ تورات میں بھی بیان کیا گیا.... اور انجیل میں بھی ___ یعنی تورات اور انجیل کی تعلیمات کا مقصد بھی ایسے ہی انسان پیدا کرنا تھا اور اُن کتابوں میں بھی ان کے اوصاف ایسے ہی بیان کیے گئے تھے۔ یا یہ اشارہ بھی لیا جا سکتا ہے کہ محمد رسول اللہ اور ان کے ہمسفرانِ جادۂ حق کے ظہور کے بارے میں تورات میں بھی پیشگوئی ہے اور انجیل میں بھی۔

یہ بات تو واضح ہے کہ دین کی بنیادی صداقتیں ہر دَورِ نبوت میں یکساں رہی ہیں۔ اِسی سلسلے میں نبی و رسول اور پیرووں کا تعلق بھی آتا ہے۔ اور اس تعلق کی صحت خدا سے درستیِ تعلق کی ضامن ہے۔ ایک خراب ہو تو دوسرا بھی خراب ___ جو نبی کا سچا ساتھی ہوا وہ خدا کا بھی سچا بندہ اور حزب اللہ کا مخلص رکن اور شاھد علی الناس اور مجاھد بالباطل ہے۔

یہی مضمون ایک اور آیت کی روشنی میں چمک اُٹھتا ہے۔

بنی اسرائیل سے ایک میثاق لیا گیا تھا جس کا واسطہ ان کے بارہ نمائندہ نقیب بنے تھے۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں گا۔ اور تمہاری مدد کروں گا، بشرطیکہ تم میرے چند تقاضوں کو پورا کرتے رہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَقَالَ اللّٰہُ اِنِّیْ مَعَکُمْ۔ اور خدا نے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اور اس کے بعد کلام اس لفظ سے چلتا ہے: "لَئِنْ" یعنی اگر تم یہ یہ کرو۔ کیا کیا کرو؟

لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَیْتُمُ الزَّکٰوۃَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ وَعَزَّرْتُمُوْھُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا۔

مطالبہ یہ ہوا کہ:

— تم اقامت صلوٰۃ کرو،

— تم زکوٰۃ دیتے رہو،

— تم میرے رسولوں پر (گذشتہ اور آئندہ) ایمان لاؤ۔

— اور مدد کرو ان کی (ان کے مشن کو غالب کرنے میں)۔

— اور اللہ کی راہ میں انفاق کرتے رہو (خدا کو قرض دینے کا یہی مفہوم ہے)۔

اس میں آپ نے دیکھا کہ خدا نے اپنے رسولوں پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ ان کی دعوت و جہاد کی مہمات میں ان کی مدد کرنے کا مطالبہ کیا۔ اور ساتھ ہی دوسری اہم چیزوں کا۔

بعض لوگوں نے یہ نکتہ پیدا کیا کہ "وَقَالَ اللّٰہُ اِنِّیْ مَعَکُمْ" پر ایک جملہ ختم ہو گیا۔ آگے دوسری نئی بات ہے۔ اور وہ یہ کہ اگر تم نے یہ اور یہ کچھ کیا، تو آیت کے آخری حصے میں جزا آتی ہے کہ میں تم سے تمہارے گناہ دور کر دوں گا اور تم کو جنت میں داخل کر دوں گا۔

اس نادر تفسیر کے معنی یہ ہوئے کہ میں تو ہر حال میں تمہارے ساتھ ہوں اور تمہاری مدد کرتا رہوں گا۔ البتہ اگر تم نے یہ اور یہ امور انجام دیئے تو اس کے خاص بدلے پاؤ گے۔ کوئی ضروری نہیں کہ تم نمازوں اور زکوٰۃ کے چکر میں پڑو، لازمی نہیں کہ میرے رسولوں پر ایمان لاؤ اور ان کی مدد کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ اور ضروری نہیں کہ انفاق کرو — ان کمیوں کے باوجود میں تمہاری پشت پر ہوں اور تمہارا امدادی ہوں۔ البتہ اتنی بات ضرور ہوگی کہ آیت کے مطالبات کو اگر پورا نہیں کرو گے تو نہ تو تم سے تمہارے گناہ دور کیے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جائیں گے، نہ ان کی سزا سے تم بچ سکو گے اور نہ سیدھے جنت میں لے جائے جاؤ گے۔[1] لیکن میں (یعنی اللہ تعالیٰ)، پھر بھی تمہارے ساتھ ہوں، کیونکہ میرے ساتھ دینے کا معاملہ تمام عقائد و اعمال سے الگ ہے اور اسے ایک جداگانہ جملے میں بیان کیا گیا ہے جس میں کوئی شرط نہیں۔ یعنی میری حمایت و تائید اور حقیقت کو حاصل کرنے کے لیے کوئی امر بھی ضروری نہیں۔

کیا باقی سارا قرآن بھی یہی تعلیم دیتا ہے۔

سیدھی سی بات ہے کہ ساری گفتگو اس میثاق سے متعلق جو بنی اسرائیل سے لیا گیا اور اس میثاق کی دفعات میں سے ایک " اِنِّیْ مَعَکُمْ " ہے۔ پھر آگے دوسری دفعات ہیں اور سب مل کر ایک میثاق بنتی ہیں۔ کسی گرامر کے زور سے ایک میثاق میں سے جملوں کو توڑ کر الگ نہیں کیا جا سکتا۔

بہرحال اس آیت نے یہ شہادت دی کہ خدا کے رسولوں پر ایمان لا کر ان کی مہم میں ان کی بھرپور مدد کرنا خدا کی نصرت و تائید حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے۔ معیتِ رسولؐ اور معیتِ خدا دو الگ چیزیں نہیں ہیں۔

---

[1] بلکہ نقضِ میثاق کی مزید سزا یہ بھی ہے کہ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ...... الخ یعنی ان پر لعنت برسائی گئی، ان کے دل پتھر ہو گئے، خدا کے کلام میں گڑبڑ کر کے اس کے اجزا کو ادھر سے اُدھر کر دیتے تھے۔ اور جو کچھ ذکر (اور تعلیمِ حق) کی دولت اُن کو عطا کی گئی تھی، اس کے ایک حصے کو انہوں نے فراموش کر دیا۔ اور اب کوئی وقت نہیں جاتا کہ تم کو ان کی کسی نہ کسی خیانت کی اطلاع نہ ملتی ہو، ہاں تھوڑے سے لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ جس گروہ کا یہ حال ہوا ہو، اللہ کا اس کے ساتھ ہونے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اِن چیزوں کو سامنے رکھ کر میلادِ رسولؐ کی صبح سعادت سے پوچھیے کہ رسولؐ کے ساتھ ہمارا معاملہ کیا ہونا چاہیے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس مقصد کے لیے کلمہ کا پیغام پھیلایا، ایمان کی دعوت دی، لوگوں سے بیعت لی، ان کی تربیت کی، اُن کو منظم کیا اور ان سے پورا تعاون طلب کیا، ان کو شہادت علی الناس کے منصب پر قائم کیا۔ اُن کو امتِ وسط کی ذمہ داریاں سونپیں اور پھر جائے نماز سے میدانِ جہاد تک کے مراحل طے کیے۔ اور جس مقصد کے لیے ان کو پکارا کہ آؤ اللہ کے احکام ہیں، مددگار بنو، وہ مقصد وہی تھا جو تمام انبیاء و رُسل کا تھا، یعنی لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ "لوگ عدل و انصاف پر قائم ہو جائیں۔ اس غرض کے لیے ضروری تھا کہ کوئی فتنہ (مزاحمت کرنے والی قوت) باقی نہ رہے، اور نورِ خداوندی کی تجلیات کا اتمام ہو اور اسلام ایک دین اور تہذیب کی حیثیت سے ہر دوسری فکری یا سیاسی قوت کے مقابلے میں غالب ہو جائے۔

اب بیٹھ کر سوچیے کہ جس رسولؐ کی محبت میں جلوس نکل رہے ہیں اور جھنڈیاں اور ہار تیار ہو رہے ہیں، اس سے صحیح طریقِ معاملہ کیا ہے۔ اس سے آپ کا تعلق کیا ہونا چاہیے۔ آپ کی دلچسپیاں کس طرح کی ہوں، آپ کی سوچ بچار اور آپ کی تگ و تاز کا سب سے بڑا محرک کیا ہو؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے لوگوں کو اپنے ساتھ لینا چاہتے ہیں اور کیسے لوگوں کا تعاون انہیں فلاحِ انسانیت کی مہم میں درکار ہے۔ اس کے لیے قرآن نے اپنے کلام میں بہت سی صفاتی تصویریں بنا کر ہمارے سامنے رکھ دی ہیں۔ قرآن پڑھتے ہوئے ان سب پر غور کیجیے۔ بس یہاں صرف ایک مقام کا مفہوم (الاحزاب: ۳۵) اپنے الفاظ میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہ طور ترجمانی پیش کرتا ہوں:

اسلام پر کاربند مرد، اور اسلام پر کاربند عورتیں۔

نورِ ایمان سے بہرہ ور مرد، اور نورِ ایمان سے بہرہ ور عورتیں۔

خدا کی بندگی اختیار کرنے والے مرد، اور خدا کی بندگی اختیار کرنے والی عورتیں

راستی پر قائم مرد، اور راستی پر قائم عورتیں۔

صبر کیش مرد، اور صبر کیش عورتیں۔

نمازوں میں خشوع اور خلق کے ساتھ تواضع کا رویّہ اختیار کرنے والے مرد، اور نمازوں میں خشوع اور خلق کے ساتھ تواضع کا رویّہ اختیار کرنے والی عورتیں۔

صدقہ و خیرات کرنے والے مرد، اور صدقہ و خیرات کرنے والی عورتیں۔

روزہ دار مرد، اور روزہ دار عورتیں۔

اپنی عصمتوں کے محافظ مرد، اور اپنی عصمتوں کی محافظ عورتیں۔

اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرنے والے مرد، اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرنے والی عورتیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان سب کے لیے بخشش اور اجرِ عظیم مقدر ہے۔

ہم سب پر لازم ہے کہ یہ کسوٹی سامنے رکھیں اور سوچیں کہ محبتِ رسولؐ کے اس پیمانے پر ہمارے خیالات و مقاصد اور مشاغل اور سرگرمیوں کا کیا حساب بنتا ہے؟

ایک دلچسپ بات کہ اس صفاتی خاکے کے خاتمے پر بھی رسالت کے مخصوص استحقاق کا ذکر ہے۔ آیت "وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ .... الخ (الاحزاب: ۳۶) میں دین کا یہ اٹل اصول قاعدہ بیان بیان کیا گیا ہے کہ تمام نماز روزے، صبر، انفاق، حیاداری اور دوسرے بہترین اعمال سے بھی بات اسی وقت بنتی ہے۔ جب رسولؐ سے اپنا تعلق درست کیا جائے۔ متذکرہ آیت کا تقاضا یہ ہے کہ کسی ایمان والے مرد اور ایمان والی عورت کی یہ حیثیت نہیں ہے کہ خدا اور رسولؐ کی طرف سے کسی معاملے کا فیصلہ ہو جانے کے بعد ان کو اپنے امر و مفاد کے لیے فیصلے میں دخل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دینے کا (یا ردّ و قبول) کا کچھ بھی اختیار نہ رہے۔

جس معاملے میں خدا تعالیٰ کا واضح فیصلہ موجود ہے، وہاں آپ سر جھکا دیں۔

جس معاملے میں رسول اللہ کا ثابت شدہ فیصلہ سامنے آجائے وہاں دم بخود اور مہر بلب ہو کر تسلیم کریں۔

براہ راست ان فیصلوں کو اپنے لیے بدلنا، ان پر نکتہ چینی کی یا اُن کے صریح مفہوم کے بالمقابل من گھڑت تاویلوں کے بل پر کوئی نرالا مفہوم اختیار کر لیا اور صحابہ و تابعین اور مفسرین و محدثین اور آج تک کے بڑے بڑے قاضیوں (ججوں) اور مفتیوں (قانون دانوں) کی محنتوں اور کاوشوں کو مسترد اور ان کے اتفاق رائے کو کالعدم قرار دے دیا تو گویا اپنی حیثیت سے تجاوز کیا۔ اِس تجاوز کے بعد آدمی کو سوچنا چاہیے کہ کس آسمان کے نیچے اور کس زمین کے اُوپر اُسے پناہ ملے گی۔

آخرت کے لمحۂ احتساب میں کھلے کافروں اور ظالموں کو تو جو کچھ بھگتنا ہے، اس کا اندازہ سورۃ الفرقان کے چند الفاظ سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ فرمایا کہ "یَوۡمًا عَلَی الۡکٰفِرِیۡنَ عَسِیۡرًا" وہ دن کفار پر بڑا بھاری ہوگا۔ دوسرے نمبر پر ظالموں کا ذکر ہے جو اپنے ہاتھوں کو کاٹ کاٹ کر کھائے گا۔ اور کہے گا کہ یٰلَیۡتَنِی اتَّخَذۡتُ مَعَ الرَّسُوۡلِ سَبِیۡلًا" یعنی اے کاش! میں رسولؐ کے ساتھ اس کے راستے پر چلا ہوتا۔ پھر ایک تیسرے گروہ کا ذکر ہے کہ جب وہ لوگ آئیں گے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے کہ اے میرے رب میرے ان لوگوں نے اس قرآن کو متروک و مہجور چھوڑ دیا۔ یعنی قرآن کوئی اور راستہ بتاتا رہا اور یہ کسی اور طرح عمل کرتے رہے۔

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے ترجمۂ قرآن کے حاشیہ میں اس آیت کے متعلق (فائدہ نمبر ۱۱۔ ص ۴۷۰، ۴۶۹) بطور تنبیہ لکھتے ہیں کہ اگرچہ مذکور صرف کافروں کا ہے، تاہم قرآن کی تصدیق نہ کرنا، اس میں تدبر نہ کرنا، اس پر عمل نہ کرنا، اس کی تلاوت نہ کرنا، اس کی تصحیح قرأت کی طرف توجہ نہ دینا، اس سے اعراض کر کے دوسری لغویات یا حقیر چیزوں کی طرف متوجہ ہونا، یہ سب صورتیں درجہ بدرجہ ہجرانِ قرآن کے تحت میں داخل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو سکتی ہیں۔

یعنی یہ پہلو واضح ہو گیا کہ قرآن سے مفارقت کی بہت سی صورتیں مسلمانوں میں بھی پائی جا سکتی ہیں۔ اور ان پر بھی آیت متذکرہ کا اطلاق ہو سکتا ہے۔

اس حقیقت کی تائید ایک اور آیت سے ہوتی ہے جو بتاتی ہے کہ مسلمانوں کا یہ طریقہ نہیں کہ جب انہیں ان کے رب کی آیات سنائی جائیں تو وہ اندھے بہرے ہو کر ان کے لیے گر پڑیں۔ (الفرقان - آیت ۷۳)

بالفاظ مولانا شیخ الہند محمود الحسن رحمۃ اللہ مطلوب یہ ہے کہ اہلِ ایمان قرآن کو نہایت فکر و تدبر اور دھیان سے سنیں اور سن کر متاثر ہوں، مشرکین کی طرح پتھر کی مورتیں نہ بن جائیں۔

یعنی قرآن کے سامنے یہ معاملہ کہ اس کے لیے آدمی پتھر بن جائے، اس کا دل اور ذہن جامد ہو جائیں، وہ اس میں فکر و تدبر نہ کرے، وہ اس کے احکام کی تعمیل نہ کرے اور اس کے منہیات سے اجتناب نہ کرے تو پھر معاملہ وہی ہجران کا ہوا۔ اور جہاں نوبت یہاں تک پہنچ جائے کہ تلاوت کا رشتہ بھی باقی نہ رہے، وہاں تو ہجرانِ کامل ہو گیا۔

تو اس ساری گفتگو کا مقدمہ یہ ہے کہ ہم اس مصیبت سے دوچار نہ ہوں جس کا سامنا کرتے ہوئے ظالم کہیں گے کہ: یٰلَیْتَنِی اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِیْلًا

ہمارا اہم فریضہ معیتِ رسولؐ یا نصرتِ رسولؐ یا تائیدِ رسولؐ ہے۔ ہمیں قافلۂ رسالت کے ساتھ ہو کر صراطِ مستقیم پر چلنا چاہیے۔ صرف یہی صورت ہے کہ محبت اور طاعت دونوں مل کر ایک چیز بن جاتی ہیں۔

ہر ربیع الاوّل کو گزار کر دیکھیے کہ وہ آپ کو معیتِ رسولؐ اور طاعتِ رسولؐ اور ایسی حقیقی محبتِ رسولؐ کے مراحل کس قدر طے کرا گیا ہے۔ یا آپ اس میں جہاں تھے، وہاں اس سے بھی پیچھے آ گئے۔ خارجی رونقوں اور تماشوں میں نہ کھو جایئے، اپنے داخلی احوال کا جائزہ لیجیے۔

© rasailojaraid.com